JIHĀT-UL-ISLĀM
Vol: 14, Issue: 01, Jy – Dec 2020

OPEN ACCESS
JIHĀT-UL-ISLĀM
pISSN: 1998-4472
eISSN: 2521-425X
www.jihat-ul-islam.com.pk

برصغیر کی امتزاجی تہذیب کی تشکیل میں کثیر مذہبی روایات کے اثرات، تاریخی مطالعہ

The Effects of Multi-religious Traditions in The Formation of a Mixed Civilization of the Subcontinent, A Historical Study

Dr. Kulsoom Paracha*
Assistant Professor, Dept. of Islamic Studies & Comparative Religions, The Women University, Multan.

Dr. Munazza Hayat**
Assistant Professor, department of Islamic Studies, Bahauddin Zakariya University, Multan.

Abstract

The society of subcontinent is a miscellany society since a very long time. In this society two sections have always remained prominent on local level. The first community although is little in number but is comprised of advance religions, collective notions and social machinery. The second group is based on many a man who is rather inferior in social status. The mixture of these two groups helped develop indigenous civilization. The third element has developed from such foreign upshot that, adopting serene or violent sources, penetrated the country. The bases of present civilizational inheritance of the subcontinent are taken from these sections. Different civilizations burgeon and develop fairly naturally according to the particular thinking of that people due to the association of these elements. This pattern continued clan after clan. Keeping this in view, the analysis of the effects of this intermingled civilization that came as a result of the relation among the Hinduism, Buddhism, Muslim and the local civilizations in subcontinent is discussed in this article.

Keywords: *indigenous civilization, subcontinent, miscellany society, Hinduism, Buddhism, Islamic civilization.*

حضرت آدم علیہ السلام کے اس کرہ ارض پر قدم رنجہ فرماتے ہی انسانی زندگی کے ذہنی ارتقاء اور مادی ترقی کی داستان کی ابتداء ہو گئی۔ جہاں تک انسان کی روحانی و نظریاتی زندگی کا تعلق ہے تو سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام براہِ راست خدا سے ہدایت

CC BY

یافتہ تھے اور ان کو قرآنِ حکیم نے نمائندگی (خلافت) کے منصب کے ساتھ پیدا کیا جو انسانی زندگی کی اجتماعیت کے تصور کو اجاگر کرتا ہے ، یوں انسانی فطرت اور اپنے بقاء کی ضرورت دونوں اجتماعی زندگی گزارنے کے محرک قرار پائے لہٰذا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان کی عادات و خصائل کھانے ، پینے، اٹھنے ، بیٹھنے کے طور طریقے، رہنے سہنے کے انداز، ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کی آگہی، منظّم و مربوط زندگی گزارنے کا تصور، علوم و فنون سے دلچسپی اور ظاہری رسومات کا نظام ارتقاء پذیر ہوا اور یہی ارتقاء تہذیب و ثقافت، اور تمدن جیسے عنوانات کی صورت میں نمایاں ہوا۔

ہندوستانی سماج میں مقامی سطح پر ہمیشہ دو طبقے ممتاز رہے ہیں ایک اعلیٰ اور دوسرا ادنی، پہلا طبقہ اگرچہ تعداد میں کم ہے مگر بہت ترقی یافتہ مذاہب، اجتماعی تصورات اور عمدہ اداروں کا حامل رہا ہے۔ دوسرا طبقہ کثیر التعداد عوام پر مشتمل ہے، جو سماجی حیثیت سے کم تر درجے کے ہیں۔ ان دو طبقوں کے تعامل نے مقامی تہذیب کا ڈھانچہ تیار کرنے میں مدد دی، تیسرا عنصر ان غیر ملکی اثرات سے عبارت ہے۔ جنہوں نے امن پسندانہ یا تشدد آمیز ذرائع اختیار کرکے ملک کے اندر نفوذ کیا۔ ہمارے جدید تہذیبی ورثے کا خمیر انہی عناصر سے اٹھایا گیا ہے۔ ان تینوں عناصر کے امتزاج کے نتیجے میں مختلف تہذیبوں کا نمود اور ارتقاء بالکل فطری انداز سے اس قوم کی مخصوص ذہنیت کے عین مطابق ہوا۔ یہ سلسلہ نسل در نسل جاری رہا۔[1] اسی تناظر میں برصغیر کی مقامی تہذیب اور مسلم تہذیب کے باہمی تعلق کے نتیجہ میں باہمی اثرات کا جائزہ آمدہ سطور میں مقصود ہے۔

برِصغیر میں مسلمانوں کی آمد اور مقامی تہذیب پر اثرات

مسلم تہذیب جن چیزوں سے عبارت ہے اور جو اس کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ ان میں توحید خداوندی، اللہ کے سامنے جوابدہی کا تصور کے بعد تکریم انسانیت، انسانی مساوات اور مذہبی رواداری جیسے اجتماعی اقدار کو اساسی حیثیت حاصل ہے اور انہی خصوصیات نے دیگر تہذیبوں کو متاثر کیا جب اسلامی تہذیب کا ان سے ربط و ضبط پیدا ہوا۔

عرب کے مسلمان سب سے پہلے ساتویں صدی عیسوی کے اواخر میں جنوبی ہند میں مالابار[2] (Malabar) کے ساحل پر آباد ہوئے تو انہوں نے ہندوستان کے مغربی ساحل پر قطعاتِ اراضی حاصل کئے اور جابجا مسجدیں بنائیں۔ ہر مسلمان دین کی تبلیغ کو اپنا فریضہ جانتا تھا، نہایت سادگی سے ہندوؤں کے سامنے اسلام کو سیدھے سادھے مگر اثر پذیر عقائد پیش کرتا تھا اور اپنے کردار واخلاق سے عوام الناس کو متاثر کرتا تھا۔ تقریباً ایک صدی تک تجارت کے ساتھ ساتھ تبلیغ کا یہ سلسلہ جاری و ساری رہا۔ مالابار کے راجاؤں، تاجروں اور عوام نے بھی باہر سے آنے والے مسلمانوں کے ساتھ رواداری کو ملحوظ رکھا اور ان مسلمانوں سے ان کو بے شمار تجارتی فوائد بھی حاصل ہوئے، یہاں تک کہ مالابار میں مسلمانوں اور مقامی عوام کے باہمی روابط کے نتیجہ میں قبولیتِ اسلام کو فروغ حاصل ہوا یہاں تک کہ وہاں کا راجہ مسلمان ہوگیا اور حج کی نیت سے مکہ معظّمہ کی طرف عازم سفر ہوا۔[3]

دراصل اسی صدی میں ہندومت، جین مت اور بدھ مت آپس کی کھینچاتانی میں برسرپیکار تھے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی آمد اور حسنِ معاملہ کے سبب سے اسلام نے اس طور اپنی جگہ بنانی شروع کردی کہ مبلغین نے توحید الٰہی کے تصور کو پیش کیا۔ جس نے سماج کے

انسانوں میں ذات پات اور چھوت چھات کے تصور کی سختی سے نفی کی۔ چنانچہ عوام الناس جو کہ ہزار ہا سال سے اسی ذات پات کے چکر میں باہم تقسیم ہو کر کروڑوں خداؤں کے پجاری بنے ہوئے تھے، اس نئے موحد مذہب کی طرف کھنچے چلے آئے۔ چونکہ سرکاری طور پر کسی نئے مذہب اختیار کرنے پر کوئی پابندی نہ تھی۔ لٰہذا لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔[4] اور جنوبی ہند کے یہی وہ علاقے ہیں جن میں نویں صدی سے بارہویں صدی عیسوی تک وہ عظیم مذہبی تحریکیں نمودار ہوئیں جو شنکر اچاریا[5]، رامانج[6]، بساؤ[7] اور رامانند[8] کے ناموں سے منسوب ہیں۔[9]

شنکر اچاریا قرونِ وسطی کے ہندوستان کے اہم ہندو فلسفی، ماہر الٰہیات، مصلح اور اپنشدوں کے جید مفسر گزرے ہیں 788ء میں جنوبی ہندوستان کی ریاست کیرالا کے علاقہ کالڈی کے ایک برہمن گھرانے میں پیدا ہوئے۔ کم عمری میں ہی دھرم، یوگ اور درشن کے ہندو فلسفہ میں یدِ طولیٰ حاصل کر لیا۔ ان کا 820ء میں انتقال ہوا، شنکر اچاریا نے ذات پات کے خود ساختہ بندھنوں کی عملاً مذمت کی، لا یعنی مذہبی رسومات کو تیاگ دینے کی تعلیم دی، اپنے نظریہ عدمیت اور وحدانیت کا پرچار پورے ہندوستان میں کیا اور روحانی علوم کی ترویج کے لیئے بہت کاوشیں کیں۔ شنکر اچاریا کا کہنا تھا کہ دنیا میں ایک ایشور کو چھوڑ کر باقی سب کچھ جھوٹ اور فریب ہے، عارضی اور فانی ہے، سب مایا ہے۔[10]

بھگتی تحریک اور مسلم تہذیب

رامانج، جنوبی ہند کا دوسرا ہندو مصلح تھا۔ 1017ء میں موجودہ تامل ناڈو کے علاقہ میں پیدا ہوا۔ شنکر آچاریا کے شاگردوں سے علم حاصل کیا مگر ان سے اختلافِ رائے کی بنا پر الگ ہو گیا۔ وہ مایا کے نظریہ کے مخالف تھا اور خدا کو اچھی صفات کا حامل بتاتا تھا۔ روح اور مادہ کو مخلوق ٹھہراتا تھا۔ بھگتی کی فکری بنیاد اس نے فراہم کی۔ برہما سوترا، وید اور بھگوت کی تشریحات اس نے لکھی۔ رامانج کی وفات 1137ء میں ہوئی۔[11]

رامانُج نے شنکر اچاریا کے تصور توحید کو اس طرح مکمل کیا کہ شنکر اچاریا صفاتِ الٰہی کا قائل نہیں تھا جب کہ رامانُج نے صفات باری تعالیٰ کا نظریہ بھی پیش کیا اس نے کہا کہ برہما اور ایشور ایک ہی خدا کے نام ہیں، وہی روح اعظم ہے۔ وہ اپنی ذات و صفات میں وحدہ لاشریک ہے وہی فعال لمایرید اور قادرِ مطلق ہے، اس سے روح اور مادہ نکلے ہیں اور اپنی ہستی کے لئے اسی کے محتاج ہیں جب کہ روح، خدا کو صرف بھگتی سے حاصل کر سکتی ہے۔ اس کی تعلیمات میں پہلا درجہ قانونی فرض کی ادائیگی ہے۔ دوسرا درجہ ریاضت ہے اور تیسرا درجہ بھگتی (Devotion) یعنی اس نے ظاہری اور باطنی اعمال دونوں کی پابندی کو اصل عبادت اور باعثِ نجات قرار دیا۔ اگرچہ رامانُج ذاتوں کی پرانی تقسیم کا قائل تھا لیکن اس نے شودروں اور چنڈالوں (نچلی ذات کے لوگوں) کے حق عبادت کو تسلیم کیا اور بعض مندر ان کے لئے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ بھگتی نے خود ایک مذہب کی شکل اختیار کر لی جس کی تعلیمات میں شیوا (یعنی خدا) اور اس کے فضل پر ایمان، والہانہ عبادت و ریاضت، اپنے گرو اور معلم سے قطعی عقیدت، بت پرستی اور دوسری ریتوں اور رسموں کی مخالفت، تمام مذاہب سے رواداری، تمام انسانوں کے درمیان مذہبی مساوات بلا امتیاز ذات و فرقہ، یوگ کے اعمال، سماع و رقص و وجد جیسے امور

شامل تھے۔[12] گویا شنکر اچاریا سے رامانُج تک پہنچتے پہنچتے ہندو دھرم کے بھگتی مسلک کی شکل و صورت واضح طور پر اسلام کی تعلیمات سے متاثر نظر آنے لگی بلکہ اس میں تصوف کا عنصر بھی صاف نظر آنے لگا۔

بساؤاور لنگایت فرقہ

بساوَ، گنگا دھرم یعنی لنگایت کا گرو مانا جاتا ہے، بساوا یا بساوَ (1106-1167ء)، ہندو مذہب کا مصلح، استاد، ماہر مذہب اور کلا چوری خاندان کی شاہی حکومت (1156-67ء) کا منتظم، جس کو بعض حلقوں میں لنگایت کا بانی کہا جاتا ہے، لیکن اس کو مذہبی مصلح کہنا زیادہ قرین حقیقت ہوگا[13] بساؤ اس نجات دھندہ کا انسانی اوتار تصور ہوتا ہے جس کی الوہیت اس کے جانشینوں اور نمائندوں میں منتقل ہوتی رہی، گرو بساؤ کے جو نظریات ذکر کیئے جاتے ہیں، ان کے مطابق خدا ایک ہے۔ وہ ساری کائنات پر حاوی ہے۔ توبہ اور پشیمانی کے سوا اور کوئی نذرونیاز یا قربانی کا کفارہ نہیں ہو سکتی۔ حتیٰ کہ گھوڑے وغیرہ کی قربانی کا کوئی فائدہ نہیں۔ ذات پات کے امتیازات بالکل بے معنی ہیں۔ عمل کرو اور جزا کی توقع نہ رکھو یعنی بے لوث عمل کرو۔ سب روحیں خدا کی ذات میں جذب ہونے والی ہیں۔[14] گرو بساؤ کے پیروکاروں، لنگایت اور بعض دوسرے فرقوں میں بھی اسلامی تعلیمات کے نقوش و اثرات واضح نظر آتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ خدا ایک ہے اور وہ خدا غیر مرئی، نورِ اعلیٰ، سرور عظیم، جوہر فائق ترین، ہر حدوث سے ماوراء، اور مادیت سے منزہ ہے اور ارواح اور قدرت کا خالق جیسی اعلیٰ صفات کا جامع ہے۔ وہ ہستی مطلق کے اِئینہ دار (Self- diremption) ہے۔ وہ معلم کائنات (Allama Prabhu) اور روحِ منفرد کے رہنما (نجات دہندہ) کی حیثیت سے جلوہ گر ہوتا ہے۔[15]

لنگایتوں میں پیری، مریدی اور بیعت کے طور طریقے مسلمانوں سے ملتے جلتے ہیں۔ اس فرقہ میں رسوم و رواج نہیں ہیں اور ذات پات کا بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ ایک چنڈال یا شودر بھی لنگایت میں شامل ہو جائے تو برہمن کے مساوی سمجھا جاتا ہے۔ عام ہندو مذہبی روایت کے برعکس بچپن کی شادی ممنوع ہے۔ طلاق کی اجازت ہے۔ بیواؤں کا احترام کیا جاتا ہے اور انہیں نکاح ثانی کا حق حاصل ہے۔ لنگایت اپنے مردوں کو جلاتے نہیں بلکہ دفن کرتے ہیں۔ شرادھ اور دوسری قوت کی رسمیں مفقود ہیں نیز تناسخ[16] کا عقیدہ ان کے نزدیک غلط ہے۔ یہ لوگ پرہیزگار اور مجاہد مزاج ہیں۔ کنسڑی اور تلنگی علاقے میں خصوصاً بلگام، بیجاپور، دھاوار، میسور اور کولھاپدر میں آباد ہیں۔ یہ اپنے آپ کو ویر شیوا (یعنی شیوا کے بہادر) کہتے ہیں اس حوالہ سے کہ لنگایتوں میں یہ تمام شعار کیوں کر رائج ہوگئے جن سے ہندو قوم قطعی طور پر بے گانہ تھی۔ یہی قرینِ قیاس ہے اور مؤرخین بھی متفق الرائے ہیں کہ سب مسلمان عربوں کی تلقین اور صحبت کا اثر ہے۔[17]

رامانند کی تحریک اور مسلم تہذیب

جنوب کے مذہبی معلّمین کی تعلیمات ہندوؤں کے نزدیک روز بروز مقبول ہونے لگیں اور بھگتی مارگ پر لاکھوں ہندو گامزن ہوگئے یہاں تک کہ رامانُج کے جانشینوں میں سے پانچویں نمبر پر رامانند کا ظہور ہوا۔[18] رامانند، شمالی اور جنوبی ہند کی بھگتی تحریک کے درمیان ایک پل کی حیثیت رکھتا ہے۔ میکالف کے نزدیک اس کا زمانہ چودھویں صدی کے اواخر اور پندرھویں صدی عیسوی کے نصف اول کے

درمیان کا ہے۔ رامانند میل کوٹ (MAILKOT) میں پیدا ہوا، جہاں رامانج نے وشنو کا بت نصب کیا تھا[19] اس نے کچھ تعلیم پریاگ میں اور کچھ بنارس میں حاصل کی۔ وہ آزاد فکر انسان تھا۔ رامانند نے تمام تیر تھوں[20] کا سفر کیا، ملک بھر میں گھوما پھرا اور مزید وسیع النظر ہوتا گیا اور یہ بات یقینی ہے کہ بنارس میں اس کی ملاقات مسلم علماء سے ہوئی۔ اور ان سے دینی مسائل پر گفتگو کی۔

رامانند پہلا مصلح ہے۔ جس نے اپنے عقائد واصول کی تبلیغ کے لئے ہندی زبان اختیار کی اور سنسکرت کو چھوڑ دیا۔ چناں چہ اس کے وعظ ونصیحت کو عوام میں بے حد مقبولیت حاصل کی۔[21] اس نے اپنے پیرو مرشد کے بعض عقائد سے انحراف بھی کیا۔ مثلاً اس نے ذات پات کے تمام امتیازات موقوف کر دیئے۔ چناں چہ اس نے تمام ذاتوں کے افراد کو اپنے فرقے میں شامل کیا۔ بلکہ مرد وعورت اور ہندو مسلمان کا امتیاز بھی اٹھا دیا۔ اس کے بارہ بڑے چیلے مشہور ہیں۔ جن میں ایک نائی ایک چمار[22] اور ایک جولاہا بھی شامل تھے۔ گویا برصغیر کے جنوب میں مسلمان تاجروں اور مبلغوں کے زیر اثر سو دو سو سال کے اندر اندر انتہائی ذی اثر ہندو فرقے اپنے ایسے عقائد کا اظہار کرنے لگے جو اسلام کے نظریات کے زیرِ اثر نظر آتے تھے۔ گو بھگتی مارگ کے معلّمین کے ذکر میں ہر جگہ برہما، وشنو، کرشن، شیو، رام وغیرہ کی پوجا کا ذکر آتا ہے۔ لیکن حقیقت میں ان ناموں سے ان کی مراد ذاتِ باری کی صفات ہوتی تھیں۔ یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں برہمنیت کے اقتدار اور برہمنوں کی فوقیت کو ختم کرنے والے شنکر اچاریا، رامانُج، بساؤ اور رامانند سبھی برہمن خاندانوں کے چشم وچراغ تھے۔

ڈاکٹر تارا چند کے مطابق ان تحریکوں کے عناصر واضح طور پر دین اسلام کے اثرات کا پتہ دیتے ہیں۔ اسلام نے توحید کے عقیدے کو اس قدر وضاحت اور قوت کے ساتھ پیش کیا کہ ہندو رشیوں اور فلسفیوں کے لئے اس کا مقابلہ کرنا ناممکن رہا۔ چنانچہ انہوں نے کروڑوں دیوتاؤں کے مذہب میں ترمیم ضروری سمجھی اور پھر عام ہندوؤں سے کہا کہ توحید کوئی مسلمانوں کا اجارہ نہیں ہے۔ ہندوؤں کے قدیم دھرم میں بھی یہ عقیدہ موجود ہے اور ہندوؤں نے ہی اس کو بھلا رکھا ہے۔[23]

شمالی ہند میں مسلم تہذیب کے اثرات

جب برصغیر میں سندھ کے راستہ سے محمد بن قاسم کی فاتحانہ آمد ہوئی تو اس سے بھی مسلم اور مقامی تہذیبوں کے امتزاج کی داغ بیل پڑی چونکہ مسلمانوں کے ساتھ ان کی ہم مذہب شریکِ حیات نہیں تھیں، اس لیئے مقامی ہندو عورتوں کے ساتھ شادی بیاہ کا آغاز ہوا اور تاریخ کا یہ کوئی منفرد واقعہ نہیں بلکہ یہاں عربوں، ترکوں، ایرانیوں اور افغانوں کا ہندوستانی عورتوں سے شادی کرنا دوسرے ممالک کے مسلمانوں کے رواج سے مطابقت رکھتا تھا۔ یہ شادیاں سماج کے ہر طبقے میں رائج تھیں۔ ایک طرف ان ہندو خواتین کے ذریعہ ہندوانہ رسم ورواج، رفتہ رفتہ مسلمانوں میں نفوذ کر گئے تو دوسری طرف اسلامی تعلیمات خود ان عورتوں کے کنبوں میں داخل ہو گئیں۔[24]

اسی طرح شمال مغرب سے جب محمود غزنوی (971ء-1030ء) کا مسلم لشکر 1025ء میں، ہندوستان داخل ہوا تو اس کے نتیجہ میں آنے والے مسلمان مبلغین، شعراء، علماء واولیاء سارے شمالی ہند میں پھیل گئے اور خدائے واحد کی عبادت کا چرچا ہوا۔ مذہبی اعتبار سے ذات پات، چھوت چھات اور رسوم ورواج کے بندھن کمزور ہو گئے یوں ہندوؤں کی مذہبی طبقاتی بنیادیں کھوکھلی ہونے لگیں اور

اسی کے ساتھ محمود غزنوی نے اپنے بت شکن کے تاریخی تاثر کے باوجود اپنے دارالسلطنت میں اپنی ہندو رعایا کو اپنے الگ محلوں میں بت پوجنے کی اجازت دے رکھی تھی [25] لہٰذا یہ کہنا تاریخی ثبوت کے معیار پر پورا اترتا ہے کہ ہندوستان کے پورے مسلم دورِ حکومت میں مذہبی اور سماجی رواداری کی روایت غالب رہی۔

شمالی ہند میں پندرھویں صدی عیسوی میں رامانند کے چیلوں میں بھگت کبیر [26] کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ڈاکٹر تاراچند کہتے ہیں کہ کبیر کی طبیعت میں آغاز ہی سے تحقیق و استفسار کا رجحان تھا۔اس لئے بہت جلد کبیر ہندو دھرم اور اسلام کے مبادی سے واقف ہوگئے اور جس زمانے میں انہوں نے روحانی فیض کے حصول کے لئے کسی پیر یا گرو کی تلاش شروع کی تو وہ بہت سے مسلمان مشائخ اور ہندو سادھوؤں سے ملے لیکن کسی جگہ اس کی تسلی نہ ہوئی۔ بالآخر وہ کہن سال رامانند کے پاس پہنچے جو نہایت روشن دماغ ہندو عالم تھے۔چنانچہ کبیر رامانند کے چیلے بن گئے۔[27] لیکن وہ زیادہ مدت رامانند کے پاس نہیں رہے بلکہ سفر و سیاحت میں ہی رہے اس دوران وہ اکثر مسلمان صوفیا کی صحبت میں رہے۔کبیر خود پڑھے لکھے نہیں تھے۔ان کا تمام تر علم صوفی بزرگوں کے ملفوظات پر مبنی تھا۔وہ مختلف مقامات پر گھومنے پھرنے کے بعد بنارس میں مقیم ہوگئے اور اپنے خیالات و عقائد کا پرچار کرنے لگے تو ہندو برہمنوں اور مسلم علماء نے ان کو بالترتیب ہندو دھرم اور اسلام کے خلاف قرار دے کر کبیر کو ہدف ملامت بنایا لیکن سکندر لودھی [28] (متوفی 1517ء) نے کبیر کے خلوص کو دیکھ کر ان کی امداد و حفاظت کی جس کے بعد علماء و براہمہ نے ان کو دِق نہ کیا۔وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو صرف معرفت الٰہی کا سبق دیتے تھے، وہ شمالی ہند کے بڑے معلم اور مصلح تسلیم کر لیئے گئے۔[29]

شمالی ہند میں گرونانک [30] بھی کبیر کی طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کو ملانا چاہتے تھے۔جس کا ایک ہی طریقہ تھا کہ ان دونوں کو خدا کی توحید اور معرفت پر جمع کیا جائے۔ نانک نے ذاتِ باری تعالی کی عظمت اور اس کی تمام صفات سے متعلق جو کچھ کہا ہے کوئی مسلمان اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا۔وہ ذات پات کے سخت دشمن تھے۔ان کے نزدیک اللہ کے تمام بندے یکساں ہیں۔اوہام پسندی، ضعیف الاعتقادی اور رسوم پرستی اس کے نزدیک بالکل لایعنی چیزیں ہیں۔وہ واضح طور پر خدا کا ذکر کرتے ہیں اور اس کو وشنو، شیو، کرشن رام وغیرہ کے پردے میں ملفوف نہیں کرتے۔وہ اوتار اور حلول کے عقیدے کے منکر ہیں۔انہوں نے ہندوؤں سے کہا کہ تیرتھوں پر جاکر بے معنی رسوم ادا کرنا اور گنگا کے پانی کو پوتر جاننا اور چار وید [31] اور اٹھارہ پران [32] اٹھائے پھرنا بالکل بے کار ہے، جب تک معرفت الٰہی حاصل نہ ہو جائے۔جب کہ مسلمانوں سے کہا کہ وہ شفقت کو اپنی مسجد، خلوص کو اپنا مصلیٰ، اور عدل وانصاف کو اپنا قرآن بنا، حیا کو اپنا ختنہ ، تہذیب کو اپنا روزہ، تقویٰ کو اپنا کعبہ، راستی کو مرشد اور عمل نیک کو اپنی نماز بنا، تب جاکر تم مسلمان بنوگے اور اللہ تمہیں آبرومند بنائے گا۔ نانک نے اپنے کلام میں اکثر مقامات پر آپ ﷺ کی مدح و ثناء کی ہے اور قرآن کو چشمہ ہدایت بتایا ہے۔[33]

یہ حقیقت واضح ہے کہ کہ گرونانک بانی اسلام حضرت محمد ﷺ سے بے حد متاثر تھے انہوں نے اپنے آپ کو اس رنگ میں پورے طور پر رنگین کر لیا تھا۔ وہ تمام اچھے اطوار و عادات جو اسلام میں تھیں سکھ مت میں بھی پائی جاتی ہیں۔مثلاً نجات صرف اعمال پر ہوگی ، رہبانیت کی نفی ،حلال رزق کی ترغیب ، نبوت و رسالت پر ایمان ،مذہبی کتابوں کا احترام ، نشہ آور اشیا کی ممانعت،مذہبی عبادت گاہ کا

تصور، اور مرد اور عورت میں برابری کا تصور۔[34] یہ اسلامی تہذیب کے ہی اثرات تھے جو سکھ مت میں آئے اور داڑھی اور پگڑی کے مظاہر بھی مسلمانوں سے ہی مشابہت رکھتے ہیں۔

بیسویں صدی میں، راجارام موہن رائے[35] (برہمو سماج تحریک کے بانی) کیشب چندرا سین[36] اور سوامی دیانند سرسوتی[37] (آریہ سماج تحریک کے بانی) بھی وحدانیت کے قائل بت پرستی کے مخالف، ذات پات کے امتیازات کو مٹانے والے اور ہندوؤں کو ہزارہا سال کی تاریک خیالی سے نجات دلانے والے لوگ ہیں۔ عبد المجید سالک نے جدو ناتھ سرکار، ڈاکٹر تارا چند، ڈاکٹر ایشوری پرشاد اور بعض دوسرے حقیقت نگر ہندو مؤرخین کے اس واشگاف اعتراف حقیقت کا ذکر کیا ہے کہ ہندو دھرم کی تجدید اسلام ہی کے اثرات کا ممنونِ احسان ہے۔[38] لہٰذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ شنکر اچاریا سے لے کر سوامی دیانند تک تمام اکابر ہنود کی جدید تحریکات اسلام سے متاثر ہوئیں۔

مقامی تہذیب اور مسلم تصوف

سترہویں صدی کے وسط میں مسلم دانشوروں نے بعض اوقات ویدانت کو مبہم طور پر تصوف کے ہم پلہ بنادیا۔[39] داراشکوہ[40] کی انتخابیت پسندی کے پس پشت باضابطہ قادریہ سلسلہ کی روادارانہ اجازت شامل تھی جیساکہ شیخ محب اللہ الہ آبادی[41] نے اس امر پر خاص زور دیا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی ذاتِ گرامی مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے یکساں طور پر رحمت تھی۔[42] سترھویں صدی کے آخری دور کے ایک صوفی کلیم اللہ دہلوی[43] کا خیال تھا کہ تصوف کی تربیت ایک ہندو کو قبل از قبول اسلام بھی دی جا سکتی ہے تاکہ وہ اسلام کی جانب راغب ہو جائے۔[44] عزیز احمد کے بقول سترھویں صدی کے وسط میں سلسلہ قادریہ داراشکوہ اور اس کی بہن شہزادی جہاں آرا[45] کے زیر اثر بہت زیادہ روادار ہو گیا تھا۔ مسلم صوفیاء میں صلح کل کا تصور ہندوستانی تصوف پر سترھویں صدی کے اواخر اور اٹھارویں صدی میں بہت حاوی رہا ہے۔ داس گپتا کی نظر میں صلح کل کا یہ تصور مہایانہ[46] بدھ مت سے مستعار لیا گیا تھا۔[47] جب کہ تارا چند کے بقول صوفیوں کی بعض ریاضتیں مثلاً حبس دم بدھ مت کے ذریعہ یوگی پرانیم سے لی گئی ہے۔[48]

نیز وسط ایشیا کی بعض زیارت گاہیں، مزار یا صوفیوں کے آثار، بدھ اسٹوپاؤں کے کھنڈروں پر قائم ہیں۔ بخارا[49] کے قریب جس گاؤں میں نقش بندی سلسلہ کے بانی حضرت بہاء الدین نقشبند[50] مدفون ہیں، قبل ازیں قصر ہندوی (ہندو محل) کہلاتا تھا اور بودھوں کی زیارت گاہ تھا۔ بعد میں نقشبندی صوفی کا مدفن ہونے کے باعث قصر عارفین (خدا شناسوں کا محل) سے موسوم ہوگیا۔ نقشبندی سلسلہ میں تصور شیخ یا سلوک کی ابتدائی تعلیم میں مرشد کی ذہنی تصویر قائم کرنے کی مشق بھی بدھ مت سے مشابہت رکھتی ہے۔ جس کی نشان دہی ویدوں کے مابعد قدیم ہندی دھیان و گیان (تمام علائق سے رشتہ توڑ کر یاد الٰہی میں مصروف ہو جانا) میں کی جا سکتی ہے۔ بلخ[51] جو کہ وسط ایشیا میں بدھ مذہب کا خانقاہی مرکز تھا عرصہ مابعد متعدد ممتاز صوفیوں کا وطن مالوف ہوا۔ سبحہ گردانی کا مروج طریقہ یا تو عیسائیوں سے آیا یا ہندی بودھوں سے لیا گیا ہے۔ عزیز احمد کی رائے میں اعلیٰ سطح پر بودھوں کے پر کیف مراقبہ اور ذہنی تصور مجرد نے تصوف پر گہرا نقش چھوڑا ہے۔[52] تاہم نکلسن نے وضاحت کی ہے کہ "وہ خصوصیتیں جو دونوں میں مشترک سمجھی جاتی ہیں وہی دونوں

میں بنیادی فرق کو نمایاں بھی کرتی ہیں ظاہری طور پر مشابہتوں کے باوجود فکری طور پر دونوں میں بعدالمشرقین ہے کہ بدھ مت کا پیرو اپنے اخلاق خود درست کرنے کا قائل ہے لیکن مسلم صوفی محبت و معرفت الٰہی کو سراپا اخلاق بننے کا محرک بناتا ہے"۔[53]

مسلم صوفیاء ہر شہر، قصبہ اور گاؤں میں اپنے باطنی مریدوں کا ایک حلقہ قائم کر لیتے تھے اور ان کے بیرونی حلقہ ادارت میں غیر مسلم اور خاص طور پر اچھوت ذات کے ہندو شامل ہوتے تھے۔ جنہیں وہ اپنی روحانیت اور انسانیت سے اپنا حلقہ بہ گوش بنا لیتے تھے۔ یہ خارجی حلقہ آہستہ آہستہ غیر اختیار و غیر ارادی طور پر اسلام میں جذب ہو جاتا تھا۔[54]

البیرونی[55] نے ہندو، یونانی اور مسلم صوفیاء کے خیالات کی ہم آہنگی مقدمات اولیٰ کے بارے میں مشاہدہ کئے ہیں۔ اسی طرح آزاد خیال صوفیوں میں وحدت الوجود کے رجحانات ہندو رجحانات سے مماثل نظر آتے ہیں۔ سانکھیہ[56] میں بہشت کا جو مثالی تصور پایا جاتا ہے، البیرونی کے مطابق وہ بعینہٖ صوفیوں میں بھی رائج ہے۔ ہندوؤں کے نظریہ مکشار (نجات) اور مسلم اور عیسائی تصوف کی متوازیت میں بھی متجانست پائی جاتی ہے[57]

ہندو اور مسلم تصوف کے درمیان متوازیت کے کچھ پہلوؤں کی تشریح اس طرح کی جا سکتی ہے کہ ان ہندو مراکز ویدانت پر بالواسطہ یا بلاواسطہ مسلم تصوف اثر انداز ہوا جہاں شنکر اچاریا (متوفی 820ء) نے ویدانت[58] کو ترقی دی اور اسے ترتیب دیا اور جہاں کلاسیکی بھگتی کو رامانُج (متوفی 1137ء) نے تدوین کیا۔[59] اسی طرح روحانی گرو (مرشد) کی برتری اور عظمت کا سراغ اگرچہ ہندو الاصل ہونے تک پہنچتا ہے۔ لیکن اسلامی اثر نے اس کو ایک نئی اہمیت کا حامل بنا دیا۔ لیکن اس دور میں ہندو دینیات یا ویدانت کی ترقی میں مسلم یا مسیحی اثرات کے امکانات کو غیر معمولی اہمیت دینا خطرناک ہوگا۔ بارتھ[60] نے اگرچہ اس کا واضح انکار کیا ہے کہ عیسائیت اور اسلام میں سے کسی ایک سے بھی کسی اہم اور قابل ذکر اثر نے ہندو دینیات کو واقعی متاثر کیا ہو۔ کیونکہ اس کی نظر میں وہ خود اپنے ذرائع کے حوالہ سے اپنی توجیہہ پیش کر سکتی ہے تاہم اس نے امکان کا ذکر کیا ہے کہ ہند میں اپنی موجودگی کی بنا پر مسلم اثرات نے ہندومت میں عظیم مذہبی اصلاحوں کی کونپلیں پھوٹنے اور کھلنے میں کسی حد تک معاونت کی ہو کیونکہ بالکل نئے نظریوں کے فقدان کے باوجود انہوں نے ہندومت میں ایک نیا نظم، ایک نئی روح اور وہ تمام خصوصیات شامل کیں۔ جو ایک مسلم قائد کی رہنمائی میں تیزی سے ترقی کر گئیں اور کسی رسول یا امام کی قیادت سے ملتی جلتی قیادت پر قائم ہوئیں۔[61] تاراچند اور بارتھ دونوں اس پر متفق ہیں کہ ان تاریخی حالات کے تحت جو دکن میں ان صدیوں کے دوران پائے جاتے تھے۔ عیسائیوں کی بجائے مسلم اثرات کا پڑنا زیادہ قرین قیاس ہے۔[62]

مسلمانوں کے اعلیٰ اور ذہین روشن خیال طبقہ میں صوفیاء اس معاملہ میں سرفہرست ہیں کہ انہوں نے ہندو عوام سے رابطہ کیا اور اس طرح بالواسطہ یوگا جیسے ہندو ویدانت کے انفرادی خصائص سے واقفیت حاصل کی۔[63] عزیز احمد نے سجزی کے حوالے سے بتایا ہے کہ یوگیوں کے لئے حضرت فریدالدین گنج شکرؒ[64] کا مہمان خانہ جاذب توجہ تھا، یہاں حضرت نظام الدین اولیاءؒ[65] کی ملاقات بھی ایک یوگی سے ہوئی تھی اور انہیں اس یوگی کی جسم انسانی کی تقسیم بہت پسند آئی۔ اس نے جسم کے بالائی حصہ کو روحانیت کا قیام اور حصہ زیریں کو

انسانی فطرت کا اسفل رُخ قرار دیا تھا اور یوگی اصول کے مطابق انسان کو بالائی حصہ میں صداقت، سخاوت اور رحم کی صفات کی پرورش کرنا چاہئے اور اسفل حصہ میں عفت و طہارت قائم رکھنا چاہئے۔[66]

ہندوستانی صوفیوں کے سوانح اور تذکروں کی ایک عام خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ وہ ہندومذہب اور تصوف کے رسم و رواج سے طریقت کے حقائق کو واضح کرنے کے لئے اخلاقی حکایات اور غیر مستند روایات مستعار لیتے ہیں۔ نظام الدین اولیاء ایک برہمن کا قصہ بیان کرتے ہیں جس نے سب کچھ کھو دیا تھا۔ لیکن صرف اتنی سی بات پر خوش تھا کہ اس کا زنار[67] ابھی اس کے پاس ہے۔اس سے انہوں نے یہ سبق لیا ہے کہ انسان کو علائقِ دنیا میں نہیں پھنس جانا چاہئے اور خدا کی محبت کسی حال میں بھی ترک نہیں کرنی چاہئے کیونکہ وہی ایک دولت پاس رکھنے کے قابل ہے۔

برِ صغیر میں شطاری[68] ایک ایسا صوفی سلسلہ مانا جاتا ہے جس نے یوگا سے براہِ راست ہندوستانی عنصر مستعار لئے ہیں اور غالباً ہندو تصوف کی دیگر شکلوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔ یہ سلسلہ بنیادی طور پر بسطامی سلسلہ[69] سے مربوط بتایا جاتا ہے۔ شطاری سلسلہ کے پیروکار یوگیوں کی طرح جنگلوں میں رہتے تھے اور روکھے پھیکے پھل اور جڑی بوٹیاں کھا کر گزار کرتے تھے اور سخت جسمانی اور رحانی ریاضتیں کرتے تھے۔[70] یہ مشابہ عنصر ان کے کلمات ذکر میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ شطاریہ طریق ذکر (اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا ورد) کامل طہارت اور تنہائی کا متقاضی ہے۔ یہ ذکر کلمہ طیبہ کی تکرار سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن اس کے کلماتِ ذکر عربی کے علاوہ فارسی یا ہندی میں بھی ادا کئے جا سکتے ہیں۔[71] بعض اذکار کے الفاظ معلوم ہوتا ہے کہ براہِ راست ہندو تصوف سے مستعار لئے گئے ہیں مثلاً او ہی ہی[72] یہ اپنشدی جاپ سے مشابہ ہے۔ جس میں ہا ای، ہوا، ای، آگ اور او، سورج کو ظاہر کرتے ہیں اور او، ہو، ای تمام دیوتاؤں کے لئے مستعمل ہوتے ہیں۔ خاص طور پر یوگی آسنوں اور سمادھی کی نشان دہی کرتے ہیں اور ان میں شامل ہیں۔[73]

بر صغیر میں متنوع تہذیبوں کے باہمی ملاپ کا ایک مظہر ہندو تصوف کی کتاب "امرت کنڈ"[74] ہے۔ جسے رکن الدین سمرقندی نامی مسلمان نے عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس ترجمہ میں ایک برہمن بھوجن نے اس کی مدد کی جس سے رکن الدین نے سنسکرت زبان سیکھی۔ اس نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ تیرہویں صدی کے اوائل میں جب اس نے لکھنو کی سیاحت کی تو اسے مشرف بہ اسلام بھی کیا۔ حضرت محمد غوث گوالیاری (م 970ھ) نے ہندوؤں کے تصوف کی کتاب امرت کنڈ کا فارسی میں ترجمہ کرکے مسلمان صوفیاء کے سامنے پیش کیا۔ اس طرح مختلف تہذیبوں اور زبانوں کا آپس میں لین دین ہوا، یہ تصنیف نیم فلسفیانہ اور نیم ساحرانہ ہے۔

اٹھارہویں صدی کے معروف صوفی عالم و شاعر مرزا مظہر جانِ جاناں[75] (1699-1780ء) وہ ویدوں کو آسمانی صحیفے سمجھتے تھے اور ہندوؤں کو دوسرے اہل کتاب کی طرح اہل رسل اور صحائف مانتے۔ اسی طرح اٹھارہویں صدی کی نام ور شخصیت امام شاہ ولی اللہ کے بیٹے اور جانشینِ اول شاہ عبدالعزیز[76] کرشن کو اولیاء اللہ میں شمار کرتے تھے کیوں کہ بھگوت گیتا نے ان کے ذہن پر بڑا گہرا نقش چھوڑا تھا۔[77] تاہم ان کے جانشینوں میں سے سید احمد بریلوی[78] نے کمزور شدہ صوفی سلسلوں کو باہم دِگرجذب کرنے کا کام مکمل کرکے

انہیں راسخ العقیدگی سے مربوط کردیا اور ہندومت سے مستعار لیئے گئے عقدِ بیوگان کی ممانعت کے تصور کو مسلم معاشرے سے خارج کرنے کی جانب پوری توجہ مبذول کی۔

مسلمانوں میں مقامی تہذیب کے اثرات

برصغیر کے کئی مسلمان گروہوں میں مقامی تہذیب کے کئی آثار نمایاں نظر آتے ہیں مثلاً بارہویں صدی میں اسماعیلی فرقہ کے راہ نما رشید الدین نے نظریہ تناسخ پر ایمان کی حوصلہ افزائی کی تھی،اس چیز نے خوجوں کے لئے وہ راہ ہموار کی، وہ اسلام قبول کرنے سے پہلے لوہانہ راجپوت تھے۔ان کے پیر صدر الدین حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو وشنو کے اوتار سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک محمد ﷺ مہیش کا دوسرا نام تھا۔ لوہانی جو اولاً شکتی (طاقت ، عطائے اختیار) پر یقین رکھتے تھے۔اسلام لانے کے بعد بھی اپنے کچھ پرانے معمولات پر قائم رہے

اسی طرح خوجے جو مغربی ساحلی شہروں میں یکجا رہتے ہیں اور خوش حال لوگ ہیں ان کا ایک فرقہ امام شاہی ،جس کے بانی امام الدین (متوفی 1512ء) تھے اور جو آغاخان کو نہیں مانتا لیکن خود کو مومنہ یاست پنتھی کہتا ہےاور ہندوؤں کے متعدد رسوم و معمولات کی پیروی کرتا ہے۔[79] راجپوتوں کی جرات مندانہ اجتماعی خود کشی ''جوہر'' پر بعض مسلمان بھی عامل تھے۔عقد بیوگان کی مخالفت بھی ہندوؤں سے ورثہ میں ملی ہے. سترھویں صدی میں نیم نومسلم ،راجوڑ کے علاقہ میں عورتوں کو ان کے مردہ شوہروں کے ساتھ دفن کردیا کرتے تھے۔جو ہندوؤں کی ستی کی رسم کی نقل تھی۔ان میں کچھ لوگ راجپوتوں کی طرح اپنی شیر خوار بچیوں کو مار ڈالتے تھے۔ان مین سے بعض ہندوؤں کے ساتھ باہم شادیاں کرتے تھے۔شہنشاہ جہانگیر[80] نے ان کے یہ رسوم ختم کرنے کی کوشش کی۔[81]

سترھویں صدی میں اکبر اور اس کے جانشینوں کی سرپرستی میں ہندو کلاسیکی تصوف کا کافی ذخیرہ سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ ہوگیا تھا۔لیکن اس کے باوجود ماسوائے شطاریہ سلسلہ کے اور دوسرے صوفی سلسلوں نے ہندو تصوف کے نظریات پر نہ سنجیدگی سے غور کیا اور نہ سرسری طور پر ہی ان میں کوئی خاص دلچسپی لی۔کبیر کے علاوہ صرف ایک ہندو درویش باباکپور کا ذکر عبد الحق دہلوی کی تصنیف اخبار الاخیار[82]میں پایا جاتا ہے۔

فرائضی تحریک[83]کی کامیابی سے پہلے انیسویں صدی کے نصف اول میں بنگال کے دیہی علاقوں کے مسلمان ،ہندوؤں کے ساتھ درگاہ پوجا میں شریک ہوتے تھے اور شادی بیاہ وغیرہ کے موقع پر برہمنوں سے شبھ لگن اور سعد ساعت دریافت کیا کرتے تھے۔ان میں سے بعض ہندوؤں کے ساتھ ''سیتلا'' سے عقیدت کا اظہار کرتے تھے۔جو کہ ہندو عوام کی نظر میں چیچک کی دیوی تھی۔ یہاں تک کہ بنگلہ دیش کے ضلع راج شاہی میں کچھ مسلمانوں نے بھاشن گان یعنی ہندو دیوی فساد کے مدح کے گانوں میں خاص امتیاز حاصل کرلیا۔جب کہ شیو اور پاربتی کی تعریف میں بھجن،اتحاد مذاہب کی تقویت کے پیش نظر، مسلمان شعراء لکھتے تھے۔بنگال کے دوسرے علاقوں میں مسلمان، ہندوؤں کی دولت کی دیوی لکشمی کی مدحت وثناء کے گیت گایا کرتے تھے۔

مسلمانوں میں اتحاد بین المذاہب کے ماننے والے فرقوں میں جو تعداد میں بہت کم ہیں جو ہندو عنصر پائے جاتے ہیں عموماً ان رسوم کی باقیات ہیں جو ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد باقی رہ گئی ہیں چنانچہ "ملکان" جو ہندوؤں کی ذیلی ذاتوں مثلاً راجپوتوں، بینوں اور جاٹوں سے مسلمان ہوئے انہوں نے بہت سے ہندو معاملات و رسوم کو برقرار رکھا۔انہوں نے ہندوانہ نام رکھے وہ اپنی ذاتی تقریبات میں ہندو مندروں کی زیارت کو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی ہندوانہ انداز میں مزاج پرسی کرتے ہیں لیکن وہ مسلمانوں کی مسجدوں میں نماز پڑھتے ہیں ختنہ کرتے ہیں اور مردوں کو قبروں میں دفن کرتے ہیں۔[84]

نیم مسلم لوگوں میں وادی گنگا کے چڑیہار ہیں جو ہندو دیوی کا لکامائی کو پوجتے ہیں، پنجاب کے میو ہیں جو چھوٹے ہندو دیوتاؤں سیانسی ،بگتی،لال جی کی پوجا کرتے ہیں۔ پنجاب کے میو آج بھی اپنی کچھ پرانی ہندو معاشرتی رسوم کے ارکان پر عمل پیرا ہیں۔مثلاً بیٹیوں کو وراثت میں کوئی حصہ نہیں دیتے اور قریب قریب ہندو نسلی اور خاندانی قرابت دار کے قوانین پر عامل ہیں۔کچھ وشنو طریق کے ہندو جو مسلمان ہوگئے تھے۔اپنی پرانی ہندو سماجی علیحدگی اور بے تعلّقی برتتے رہے اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ کھانے پینے سے پرہیز کرتے تھے.[85] کچھ شمالی ہند کے مراثی اور گویئے ہیں جو درگاہ بھوانی [86] کو پوجتے ہیں۔اتحادِ مذاہب کے ایک اور درویش جن کی ہستی بھی نیم تاریخی تھی۔لعل شہباز [87] تھے۔جو غالباً آزاد درویش قلندر تھے۔جنہیں سندھ کے بعض ہندو وشنو کا اوتار گردانتے تھے۔دوسری شخصیتیں جو لوگ کہانیوں کے اجتماعی شعور میں گہری دفن ہیں۔ان میں شاہ مکی سندھی، بنگال کے محترم مانک پیر اور پیر بھیروں میں جن میں سے مؤخر الذکر کی دہلی کے قرب وجوار کے میواتی جنھوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بھی چھوڑے ہوئے ہندومت مذہب کی بہت سی خصوصیات بدستور قائم رکھیں،بڑی عزت کرتے تھے۔[88]

مرہٹوں میں اتحاد مذاہب فرقہ کے داعی ایک مسلمان شیخ محمد تھے، جن کے پیرو یا تو مکہ حج کرنے جاتے تھے یا مہاراشٹر کے پندھرپور جاترا کرنے جاتے تھے۔[89] راجپوتانہ کے نو مسلم خانزادے کسی ہندو تقریب یا تہوار میں شرکت نہیں کرتے تھے۔لیکن ان کے نکاح کی تقریبات برہمن ہی سرانجام دیتے تھے۔[90] ریحت سیک نے ایسے نوآزاد خیال فرقوں کی نشان دہی کی ہے،جو تناسخ ارواح (آواگون) کے قائل تھے۔ان میں حیاتیہ فرقہ ہندوستان میں نہیں پایا جاتا۔غلویہ (یا شیعی غلات) کے نظریات ہندومت سے حیرت انگیز طرح سے مماثلت رکھتے تھے۔ان کے عقائد کو اس شدت کی بنا پر غلو سے تفسیر کرتے ہیں کہ وہ تناسخ ارواح اور تشبیہی مذہبیت کے قائل تھے۔ریحت سیک نے جن نو فرقوں کی نشاندہی کی ہے۔ان میں سے صرف اسماعیلی فرقہ کی خوجہ شاخ نے ہندوستان میں ہندومت سے براہِ راست کچھ عناصر مستعار لئے ہیں۔[91]

ہندوستان کے مغربی ساحل پر دوسری دولت مند اور خوش حال مسلم قوم بوہروں [92] کی ہے جس نے بہت سی ہندو رسوم اپنا رکھی ہیں مثلاً ان کا قانون وراثت،قرضوں پر سود لینا اور اپنے کاروباری زندگی کے نئے سال کے موقع پر دیوالی کا تہوار منانا لیکن بعض دیگر معاملات میں بوہرے دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں غیر معمولی طور پر زیادہ راسخ مسلمان ہیں۔وہ ہندوؤں کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا نہیں کھاتے اور نہ ہی ان کے ہاتھ دھوئے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں۔[93] مسلمان دست کار اور دوسرے نچلے درجوں کے اہل حرفہ بالعموم ہندو

سے مسلمان ہوئے تھے اور ان میں قبول اسلام سے قبل کے توہمات کثرت سے باقی رہ گئے۔ یہ نو مسلم ہندوؤں کے ادنی طبقہ کے سارے توہمات میں شریک تھے اور انہیں کی طرح بدروحوں، دیوپریوں، جھاڑ پھونک، جنتر منتر، تعویز گنڈوں پر ایمان رکھتے تھے۔ جن سے بھوت پلیت، جادو ٹونے اور بدشگونیوں کا علاج کیا جاسکتا ہے۔

دیہاتوں اور قصبوں میں مسلمان عورتیں ہندو تہواروں میں اور ہندو عورتیں مسلم تقریبات میں شریک ہوتی تھیں۔ نسبت کی تقریب یا "منگنی" (جو ہندو والا صل لفظ ہے) اور شادی کی دوسری تقریبات عورتوں ہی کے ذریعہ مسلمانوں میں رائج ہوئیں۔ ان میں دُلہا دُلہن کا خوشبودار بٹن لگانا، اور خوشی کے گیت شامل ہیں۔ حاملہ عورتوں کے سلسلہ میں بہت سے ٹوٹکے ہندوؤں سے ہی مستعار لئے گئے۔ مثلاً چاند گرہن کے موقع پر روزہ رکھنا یا نئے کپڑے پہننے یا مہندی لگانے کو اس خیال سے ممنوع کردیا کہ کہیں نظر نہ لگ جائے۔ سالگرہ کی تقریب بھی ہندوؤں کی رسم "ختم گانٹھ" سے لی گئی ہے۔ اسی قسم کی ایک اور رسم یعنی اظہار غم کے لئے بیوہ عورتوں کا کانچ کی چوڑیاں توڑنا یعنی ہندوؤں سے مستعار لی گئی ہے۔[94]

امام شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ کچھ مسلمان حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہ کی تقریب نکاح کا جشن مناتے ہیں۔ وہ اسے کرشن اور رادھا کے بیاہ کی ہندو تقریب کے مثل سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں محرم کے موقع پر جو مظاہرے کئے جاتے ہیں وہ بھی ہندوؤں کی تقریبوں سے اخذ کردہ ہیں۔[95] ہندی اسلام میں تمام توہمات کی اصل ہندوی نہیں تھی۔ مثلاً درویشوں کے مزارات کی زیارت جو ہندوؤں کی مندر پوجا سے مماثل تھی۔ صوفیوں کی ترغیب کی مرہون تھی اور سولہویں صدی میں سلطنت مغلیہ کے ہندوستان کی طرح ترکی سلطنت میں بھی عام تھی۔ شبلی کے قول[96] کے مطابق مزارات کا احترام انیسویں صدی کے اواخر میں شام میں بھی پایا جاتا تھا جب کہ ہندوستان میں اس کے اوپر بڑی لے دے مچی ہوئی تھی، توہمات کی یہ لین دین یک طرفہ نہیں تھی بہت سے توہمات جو دارالسلام کے دیگر ممالک سے مسلمانوں کے ساتھ درآمد ہوئے تھے انہیں ہندوؤں نے اپنا لیا تھا، بہت سی مظاہر پرستی اور توہمات پوری انسانیت میں مشترک ہیں۔[97]

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں ڈاکٹر تاراچند کا یہ کہنا درست نظر آتا ہے کہ ہندوستانی تمدن مزاجی اعتبار سے ایک مخلوط تمدن ہے جس کا خمیر مختلف قسم کے افکار و نظریات سے اٹھایا گیا ہے۔ اس کے دائرے میں تمام معتقدات، رسوم، ادارے، فنون، مذاہب اور فلسفے پائے جاتے ہیں۔ جنہیں سوسائٹی کے مختلف طبقات نے اپنے ارتقائی مدارج میں اپنانے کی کوشش کی، یہ تمدن ہمیشہ اس امر کے لئے کوشاں رہا کہ اس کی اجتماعی ہیئت جن رنگارنگ عناصر سے عبارت ہے۔ ان میں ہم آہنگی پیدا ہوسکے ہندوستانی تہذیب ابتدا ہی سے امتزاجی خصوصیت کی حامل رہی ہے، شروع سے ہی یہ ملک مختلف تہذیبوں کی آماجگاہ رہا ہے۔ درحقیقت ہندوستان کا تمدنی ارتقاء تین مختلف عناصر کے امتزاج کا رہین منت ہے۔ جنہوں نے اپنے مزاج کو برقرار رکھتے ہوئے ایک تہذیبی وحدت کو جنم دیا۔[98]

الغرض برصغیر میں مسلم تہذیب اور مقامی تہذیبوں کے باہمی تعامل نے ایک دوسرے پر گہرے مذہبی اثرات مرتب کئے۔ اور یوں ایک امتزاجی تہذیب وجود میں آئی جن کے چند مظاہر کو مختصراً یوں ذکر کیا جاسکتا ہے۔

مالا بار میں ساتویں صدی میں مسلمانوں کی آمد ہوئی اور ان کی تبلیغ کے نتیجہ میں لوگوں نے اسلام قبول کیا اور مساجد تعمیر ہوئیں۔

رامانج نے نچلی ذات کے لوگوں کے حقِ عبادت کو بھی تسلیم کیا ہے اور کچھ مندر ان کے لیئے بھی کھول دیئے۔

رامانند نے ذات پات اور چھوت چھات کے تمام امتیازات موقوف کر دیئے۔ کبیر اور گرونانک معرفتِ الٰہی پر زور دیتے ہیں اور بے معنی رسوم کو قابلِ ترک قرار دیتے ہیں۔

گنگاپنتوں میں پیری مریدی اور بیعت کے طور طریقے مسلمانوں سے ملتے جلتے ہیں اور ذات پات کا کوئی تصور نہیں ہے۔

مقامی تہذیب میں مسلمانوں کے زیرِ اثر طلاق کی اجازت، بیواؤں کا احترام، ان کے نکاحِ ثانی کا حق، مردوں کو دفن کرنے کی روایت کو فروغ ملا۔

بھوت پریت، بدروحوں اور پریوں کا تصور اور دیگر بہت سے ٹوٹکے مقامی تہذیب کے اثرات سے تعلق رکھتے ہیں۔

شطاری سلسلہ تصوف پر بھی ہندو تصوف کے اثرات نمایاں تھے۔اور اس سلسلہ کے پیروکار یوگیوں کی طرح جنگلوں میں رہتے تھے اور سخت جسمانی اور روحانی ریاضتیں کرتے تھے۔

راجپوتوں کی جرات مندانہ اجتماعی خود کشی "جوہر" پر بعض مسلمان بھی عامل تھے عقد بیوگان کی مخالفت، مزارات کی پوجا بھی ہندوؤں سے ورثہ میں ملی۔

بہت سے مسلمانوں میں مقامی تہذیب کے زیرِ اثر بیٹیوں کو وراثت میں حصہ نہ دینے اور شادی بیاہ کی رسومات میں بہت مشابہت پائی جاتی ہے۔

سکھ مت پر اسلام کے واضح اور نمایاں اثرات ہیں یہ حقیقت واضح ہے کہ گرونانک صاحب حضرت بانی اسلام ﷺ کی تعلیم اور اسلام سے بے حد متاثر تھے۔انہوں نے اپنے آپ کو پورے طور پر رنگین کر لیا تھا، مثلاً طریقہ نجات کا دار و مدار اعمال پر ہے اور سکھ مت میں بھی رہبانیت کی نفی کی گئی ہے حلال رزق کی ترغیب اور بھیک مانگنے سے منع کیا گیا ہے شراب اور بھنگ کی بھی ممانعت ہے۔

References

[1] تاراچند، تمدن ہند پر اسلامی اثرات،(مترجم: محمد مسعود احمد) مجلسِ ترقیِ ادب، کلب روڈ، لاہور، 2002ء، ص 88،89

[2] جنوبی ہند کی ریاست کیرالہ کا شمالی علاقہ ہے جو مغربی گھاٹیوں اور بحیرہ عرب کے درمیان واقع ہے۔اس خطے میں کیرالہ کے چھ شمالی اضلاع شامل ہیں

,ttps://ur.m.wikipedia.org)۔

(accessed:4/1/2019

[3] عبدالمجید سالک، مسلم ثقافت ہندوستان میں، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ، لاہور، ص496

[4] بارتھ اپنی کتاب "ریلیجنز آف انڈیا" میں لکھتا ہے کہ "خلافت اسلامیہ کے عرب ان سواحل پر سیاحوں کی حیثیت سے آئے تھے۔اور اپنے ہم مذہب افغانوں، ترکوں اور منگولوں سے (جو فاتحین کی حیثیت سے آئے تھے) بہت پہلے ان علاقوں سے تجارت اور میل ملاپ کے تعلقات قائم کر چکے تھے اور یہی وہ علاقے ہیں جن میں نویں صدی سے باھویں صدی عیسوی تک وہ عظیم مذہبی تحریکیں نودار ہوئیں جو شنکر اچاریہ، رامانج، انند تیر تھ اور بساؤ کے ناموں سے منسوب ہیں

(A.Barth,The Religions Of India ,Kegan-Paul,Trench,tru:bner&Co,London,1890,p21)

[5] Shankara ,Students Encyclopedia Britannia – India (2000) , vol. 4 , p .379

[6] " Ramanuja"Encyclopaedia Britannica online. Encyclopaedia Britannica Inc., 2018.Web. 07 May. 2018.www.britannica.com /biography/Ramanuja >

[7]Brown :MadrasJournal of Literature and Science, January 1840, P.146.

[8] Ma cAuliffe The Sikhs ,vol.V P.102

[9] عبدالمجید سالک، مسلم ثقافت ہندوستان میں، ص496

[10] https://www.britannica.com/topic/Advaita-school-of -Hindu-philosophy, seen 6/1/2019

[11] " Ramanuja"Encyclopaedia Britannica online. Encyclopaedia Britannica Inc., 2018.Web. 07 May. 2018.www.britannica.com /biography/Ramanuja >

[12]عبدالمجید سالک، مسلم ثقافت ہندوستان میں، ص497

[13] www.britannica.com/biography/Basava. 5/1/2019

[14] Prabhavati-C.Reddy,Hindu Pilgrimage,Routledge,London and New York,2014,p118

[15] Brown: Madras Journal of Literature and Science , January 1840, P. 146

[16] تناسخ، آواگان، جون بدلنا، ایک بدن سے دوسرے بدن کی طرف نفسِ ناطقہ کا انتقال ہندوستان میں اس اعتقاد کے لوگ عام ہیں۔اسلامی دنیا میں بھی متعدد فرقے اس کے معتقد ہیں۔البیرونی نے کتاب فی ماللھند الخ، طبع لنڈن، 1887ء میں تناسخ پر ایک باب لکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جس طرح شہادت بہ کلمہ اخلاص مسلمانوں کے ایمان کا شعار ہے، تثلیث علامت نصرانیت ہے۔اور سبت منانا، یہودیت اس طرح تناسخ ہندو مذہب کی نمایاں علامت ہے B.CARRA DE VAUX)، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج6، ص651)

[17] تاراچند، تمدن ہند پر اسلامی اثرات، ص283

[18]ایضاً ص363

[19] Macauliffe, Max Arthur,The Sikh Religion , Oxford University Press,1909,Vol.VI,p.100

[20] تیر تھ کی جمع، نہانے کی جگہ، درشن، زیارت، یاترا، مقدس مقام یا جگہ جہاں لوگ یاترا کے لیئے جائیں۔ایسے مقام عموماً دریاؤں کے کنارے ہوتے ہیں۔مولوی فیروزالدین، فیروزاللغات، چوتھی اشاعت، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور 2011ء، مادہ ت۔ی ص432

[21] تاراچند، تمدنِ ہند پر اسلامی اثرات، ص 145

[22]چمڑا بنانے والا، موچی جوتیاں سینے یا گانٹھنے والا، مولوی فیروزالدین، فیروزاللغات، مادہ چ۔م، ص562

[23]تاراچند، تمدنِ ہند پر اسلامی اثرات، ص253، 254، ایضاً عبدالمجید سالک، مسلم ثقافت ہندوستان میں، ص497

[24]عزیز احمد، پروفیسر، برصغیر میں اسلامی کلچر، (مترجم جمیل جالبی) ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ص120

[25]ایضاً ص130

[26]بھگت کبیر میں اترپردیش کے مشہور صوفی شاعر اور سنت تھے۔ اترپردیش کے ضلع سنت کبیر نگر کے علاقہ مگھر کے مقام پر وفات پائی۔ ذات پات کے بندھنوں اور مذہبی تفریق سے نفرت تھی۔ توحید کے قائل تھے۔ ان کے اشعار سکھ مت کی گرو گرنتھ میں بھی شامل ہیں۔
(timesofindia.indiatimes.com , accessed 6/1/2019)

[27]محسن فانی، دبستان مذاہب، ص186

[28] لودھی خاندان کے دوسرے حکمران تھے۔ 1489ء میں اپنے والد بہلول لودھی کی وفات کے بعد حکمران بنے آگرہ کی بنیاد انہوں نے ہی رکھی تھی۔ سکندر کا زمانہ 1489ء۔ 1517ء تھا اور لودھی خاندان کا دور 1415ء۔ 1526ء تک تھا۔(History.Primus Books.pp122-125.ISBN 978-9-38060-734-)

[29]عبدالمجید سالک، مسلم ثقافت ہندوستان میں، ص 503

[30] نانک کی پیدائش 1469ء کو ننکانہ صاحب میں ہوئی اور وفات 1539ء میں کرتارپور میں ہوئی۔ گرو نانک سکھ مت کے بانی اور پہلے گرو تھے۔ گرو نانک کو "زمانے کا عظیم ترین مذہبی موحد" قرار دیا جاتا ہے۔ انہوں نے ایک منفرد روحانی، سماجی اور سیاسی نظام تربیت دیا جس کی بنیاد مساوات، بھائی چارے، نیکی اور حسنِ سیرت ہے۔ ان کی کتاب کا نام گرنتھ صاحب ہے۔(History.PrimusBook.pp122-125 ISBN978-9-38060-734-4)

[31]وید ہندوؤں کی اہم ترین اور قدیم ترین تہذیبی افکار کا مجموعہ ہے۔ ویدک دھرم کو چار حصوں میں بانٹا گیا ہے۔ رِگ وید، سام وید، یجروید اور اتھروید۔ ہندوستانی تہذیب کی پوری عمارت ویدوں کی تعلیمات پر قائم ہے۔(ابوریحان البیرونی، ہندو دھرم ہزار برس پہلے، نگارشات، لاہور، 1998ء، سید علی عباس، روایات تمدنِ قدیم، خردافروز، جہلم، 1967ء)

[32] ہندو مذہبی ادب میں وید کے بعد اپنشد، پُران اسمرتیاں شامل ہیں۔ جن کی تعداد ہندو محقق نیل کنٹر نے 97 بتائی ہے۔ پُرانوں میں دو پُران بہت مشہور ہیں ان میں ایک متسیہ پُران اور دوسرا وشنو پُران ہے۔(www. Ur.wikipedia.org/wiki/پران#cite-note-1)

[33]عبدالمجید سالک، مسلم ثقافت ہندوستان میں، ص506

[34]گرو نانک جوت تے سروپ ص19 بحوالہ گرو نانک جی اور تاریخ سکھ مت، ص13، ایضاً واحد بخش، کپتان، سیال چشتی، روحانیت اسلام، مطبوعہ لاہور، ص182

[35]راجا رام موہن رائے (1772-1833) ہندوستانی مذہبی، سوشل، ایجوکیشنل ریفارمر، جنہوں نے روایتی ہندو ثقافت کو تبدیل کیا اور ہندوستانی معاشرے کو ترقی سے ہمکنار کیا۔ ان کو جدید ہندوستان کا بانی کہا جاتا ہے۔ کلکتہ سے اصلاح کا آغاز کیا۔(www.Britannicaaccessed:. May 15 ,2018. .com/Biography/Ram-Mohun – Roy)

[36] کیشب چندر اسن (1837ء۔1884ء) بنگالی فلاسفر اور سماجی مصلح تھے۔ 1856ء میں براہمو سماج کے کارکن بنے۔ 1866ء میں انہوں نے اپنا الگ گروپ بنالیا، بعد میں وہ رام کرشنا کے زیر اثر آگئے تھے۔(www.britannica.com ,accessed: January 8, 2019)

[37] سوامی دیانند سرسوتی (1824-1883) آریا سماج کے بانی ویدانت فلاسفی کا پرچار کیا۔ ہندو اصلاحی تحریک ویدک دھرما کے بانی ہیں۔ وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے سیوراج کا (1876) میں تصور دیا یعنی ہندوستان ہندوستانیوں کا ہے۔ اجمیر ان کا علاقہ رہا ہے۔
(.www.Britannica.com/Biogrphy/Diyannad-Srswati accessed: May 15, 2018)

[38] عبدالمجید سالک، مسلم ثقافت ہندوستان میں، ص508

[39] معتمد خان، اقبال نامہ جہانگیری، کلکتہ، 1865ء، ص95،96

[40] داراشکوہ، مغل بادشاہ شاہجہاں اور ملکہ ممتاز محل کا بڑا بیٹا ۱۶۱۵ء میں اجمیر میں پیدا ہوا۔ طبعاً کریم النفس، صلح جو، فارسی اور سنسکرت کا عالم اور تصوف کا شیدائی تھا۔ ویدانت کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ 1659ء میں اورنگ زیب کے حکم سے اسے قتل کر دیا گیا۔(accessed : May 7,2018دارا شکوہ https://ur.wikipedia.org/wiki/)

[41] عہدِ شاہ جہانی کے سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ کے نامور مشائخ میں سے ہیں۔ 1058ھ میں وفات پائی۔ آپ کا اصلی وطن صدر پور تھا حضرت بختیار کاکی کے فرمان پر شیخ ابوسعید گنگوہی کے پاس جاؤ اس بنا پر گنگوہ حاضر ہوئے اور بیعت ہوئے۔ www.ur.m.wikipedia.com accessed : May (7,2018)

[42] اکرام، رود کوثر، کراچی، سن ندارد، ص196-197

[43]. صوفی کلیم اللہ شاہ جہاں آبادی کا تعلق ایک علمی وروحانی خانوادے سے تھا۔ 1060ھ میں پیدا ہوئے اور 1142ھ میں وفات پائی۔ (.ziaetaiba.com/ur/scholar/hazrat), sheikh-kaleemullah-Jahanbadi accessed:May 7,2018)

[44] شاہ کلیم اللہ دہلوی، مکتوبات کلیمی، دہلی، 1883ء، ص74

[45] شہزادی جہاں آرا، داراشکوہ کی بہن تھیں شاہجہاں اور ملکہ ممتاز کی بیٹی 1614ء میں اجمیر میں پیدا ہوئی اور 1681ء میں وفات پائی۔ (https://www.goodreaders.com/book/show/7407028,accessed: May7,2018)

[46] بدھ مت کے دو فرقے ہیں ہنایان (چھوٹی گاڑی) اور مہایان (بڑی گاڑی)، مہایان والوں نے عقائد میں بڑی حد تک تبدیلی کی، ان کے نزدیک بدھ کا کوئی جسم نہ تھا اور وہ انسانوں سے بالاتر تھا۔ فرقہ مہایان اپنی ذات کی بجائے دوسروں کی بھی نجات کا قائل ہے اسی لیئے بدھستوا کا عقیدہ عام ہوا۔ یہ کہتے ہیں کہ زندگی کی وحدت کی وجہ سے ہر انسان کی قدر دوسروں کی قدر کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔

(Huston Smith,The religion of man ,ISHI Press,pp120,Jan,2013 ,ISBN:978-4-87187-223-2)

[47] داس گپتا، ہندو تصوف، نیویارک، 1959، ص74

[48] تاراچند، تمدن ہند پر اسلامی اثرات، ص228

[49] عالمِ اسلام اور وسط ایشیا میں بالخصوص اسلامی تہذیب وتمدن کا عظیم الشان (مرکز) جو دریائے زرافشاں کی زیریں گزرگاہ پر ایک بڑے نخلستان میں (جو آج کل ازبکستان میں شامل) ہے۔ بخارا ازبکستان کا پانچواں بڑا شہر اور صوبہ بخارا کا صدر مقام ہے۔ سطح سمندر سے 722 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ اسلام سے قبل بخارا کا ذکر شاذ ونادر ہی کہیں ملتا ہے، انحطاط کے زمانہ میں بھی بخارا، اسلامی علم ودانش کا مرکز رہا ہے اور اسی حیثیت سے اس کی شہرت بھی قائم رہی ہے۔ (R.N.Frye و W. Barthold وادارہ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج4، ص110-117)

[50] محمد بن محمد بہاء الدین بخاری (717ھ/1317ء-791ھ/1379ء) سلسلہ نقشبند کے بانی ہیں۔ ان کا لقب نقش بند (لفظی معنی مصور) کی تشریح "علمِ الٰہی کی لاثانی تصویر کھینچنے والا" کی گئی ہے یا جو اپنے دل میں کمالِ حقیقی کا نقش رکھنے والا ہو، حضرت نقشبند کی ولادت بخارا سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر ایک گاؤں کشک ہندوان میں ہوئی، جسے بعد میں کشک عارفان کہا جانے لگا۔

D.S.Mar golioouth) ، بہاءالدین نقشبند، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج22، ص434۔436)

[51]ایک قدیم شہر جس کے آثار افغانستان میں شہر مزار شریف کے قریب ایک گاؤں کے اطراف میں اب بھی موجود ہیں۔ شہر بلخ جنوب میں واقع پہاڑیوں کے دامن سے چار فرسخ اور آمو دریا سے بارہ فرسخ کے فاصلہ پر تھا۔ یہ بہت پرانا اور ہمیشہ سے معروف ہے۔ ازبکوں کے زمانہ میں پرانے بلخ کے شمال مشرق میں نئے بلخ کے نام سے ایک قصبہ بن گیا ہے پھر بھی کچھ لوگ بلخ قدیم میں ہی رہتے ہیں۔ بلخ قدیم زمانہ میں بدھ مت کا مرکز اور پورے طور پر ہندو تہذیب کے زیر اثر رہا ہے۔ بلخ کی اہم پیداوار قرہ قلی، قالین، اور برک (موٹا اونی کپڑا) ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف قسم کا غلہ مثلاً گیہوں، جو، جوار، باقلا، ماش، لوبیا، چنا، کپاس، گاجر، شلغم، بیگن اور تربوز وغیرہ ہیں بلخ کا خربوزہ بہت شیریں اور مشہور ہے۔ (ذکی ولیدی طوغان، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج4، ص757۔768)

[52]عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی کلچر، مترجم: ڈاکٹر جمیل جالبی، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، 1990ء، ص179، 178

[53] R. A. Nicholson: The Mystics of Islam ,Mount San Antonio college/Philosophy Group,2016, Chao. 3,pp. 16،17

[54]عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی کلچر، ص121

[55]برہان الحق ابوالریحان محمد ابن احمد البیرونی (973-1048) اسلام کے عظیم عالموں اور محققوں میں سے ہیں۔ وہ اپنی آزاد خیالی، ادبی جرأت، تحقیق، بے باک تنقید اور اصابت رائے میں اپنی مثال آپ ہیں البیرونی بہت سی زبانوں کے ماہر تھے عربی زبان سے خاص محبت رکھتے تھے اس کے علاوہ فارسی، سنسکرت، یونانی، سریانی اور عبرانی زبانوں میں مہارت رکھتے تھے۔ وہ بیک وقت سیاح، ریاضی دان، ماہرِ فلکیات، جغرافیہ دان اور مؤرخ معدنیات اور خواص الادویہ کا ماہر اور آثارِ قدیمہ کا عالم تھا۔ (محمد فضل الدین قریشی، البیرونی، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج 5 ، ص 265-263)

[56]مادہ اور روح کا تعلق اس فلسفے کی بنیاد ہے۔ یہ فلسفہ ہندوستان کے باقی فلسفوں کی نسبت قدیم ہے۔ اس کی تاریخ 800ق م سے 500ق م تک بیان کی جاتی ہے۔ ایک قول کے مطابق تت و ساس نامی کتاب میں کپیلا نے اس فلسفے کی وضاحت کی ہے۔ روح اور مادہ کے تعلق کو مثالوں کے ذریعے واضح کیا گیا ہے۔ اس فلسفے میں خدا کا انکار ہے اور انسانی حیات کا دار و مدار مادہ اور روح پر ہے۔ (محمد مجیب، تاریخ تمدن ہند، عثمانیہ یونیورسٹی پریس، حیدر آباد دکن، 1995ء، ص319)

[57]البیرونی، کتاب الہند، ص88، 87

[58]وے۔ دانت، ہندوؤں کے فلسفے اور دینیات کا ایک نظام جس میں ذاتِ الٰہی پر بحث کی گئی ہے۔ فیروز اللغات، مادہ و۔ ی، ص 1485

[59]تارا چند، تمدن ہند پر اسلامی اثرات، ص107، 106

[60] بارتھ اپنی کتاب "ریلیجنز آف انڈیا" میں لکھتا ہے کہ "خلافت اسلامیہ کے عرب ان سواحل پر سیاحوں کی حیثیت سے آئے تھے۔ اور اپنے ہم مذہب افغانوں، ترکوں اور منگولوں سے (جو فاتحین کی حیثیت سے آئے تھے) بہت پہلے ان علاقوں سے تجارت اور میل ملاپ کے تعلقات قائم کر چکے تھے اور یہی وہ علاقے ہیں جن میں نویں صدی سے باھویں صدی عیسوی تک وہ عظیم مذہبی تحریکیں نودار ہوئیں جو شنکر اچاریا، رامانُج، انند تیرتھ اور بساؤ کے ناموں سے منسوب ہیں۔)

A.Barth,The Religions Of India ,Kegan-Paul,Trench,tru:bner&Co,London,1890,p24

[61]عزیز احمد، برِصغیر میں اسلامی کلچر، ص192

[62]ایضاً

[63]ایس۔ ایم۔ اکرام، آب کوثر، لاہور، 1952ء، ص236

[64]فریدالدین گنج شکر، مسعود بن سلیمان بن شعیب، برصغیر پاک و ہند کے مشہور و معروف ولی اللہ جن کا شمار صوفیاء اسلام کے سلسلہ چشتیہ کے مشائخ عظام میں ہوتا ہے۔ قطب الدین بختیار کاکی کے جانشین بنے، پاکستان و ہند کے لکھوں مسلمان ہر دور میں ان کی عقیدت مندی کا دم بھرتے ہیں۔ سن ولادت کے بارے میں

اختلاف ہے 569ھ یا 584ھ ہے اسی طرح سن وفات میں بھی اختلاف ہے 664 یا 670 بتلائی جاتی ہے۔(مرتضیٰ احمد خان مکیش، فریدالدین گنج شکر، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج15، ص339)

[65] نظام الدین اولیاء، سلطان المشائخ، محبوب الٰہی، سلسلہ چشتیہ کے نامور بزرگ 636ھ کو بدایوں میں پیدا ہوئے نام سید محمد رکھا گیا۔ بے حد تیز طبع اور فصیح البیان تھے بابا فرید کے جانشین بنے 765ھ کو وفات پائی۔(عبدالغنی، نظام الدین اولیاء، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج22، ص350)

[66] عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی کلچر، بحوالہ سجزی، ص49

[67] وہ تاگا جو ہندو گلے اور بغل کے درمیان ڈالے رہتے ہیں(۲)وہ دھاگا یا زنجیر جو عیسائی، مجوسی اور یہودی کمر میں باندھتے ہیں۔ فیروز اللغات، مادہ ز۔ت، ص795

[68] اسمِ گرامی شیخ عبداللہ شطاری تھا۔ آپ کا نسب شیخ شہاب الدین سہروردی سے جاملتا ہے۔ شیخ محمد طیفوری کے دستِ حق پر بیعت ہوئے اور خرقۂ خلافت بھی انہیں سے حاصل کیا۔ آپ نے رسالہ اشغال شطاریہ میں اپنے سلسلہ کے مقامات واحوال قلم بند کیئے۔ شطاریہ اصطلاح میں "تیز رو" کو کہتے ہیں مگر صوفیاء میں اس شخص کو شطار کہا جاتا ہے جو فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے رتبہ کو پہنچے۔ وہ صوفی جو علائق دنیاوی سے کاملاً قطع تعلق کر چکا ہو" ہیں۔ شطاریوں کا فرقہ نفی کو غیر ضروری سمجھ کر ترک کر دیتا ہے اور صرف اثبات سے غرض رکھتا ہے۔ آپ نے 832ھ/1429ء کو وفات پائی۔ آپ کا مزار قلعہ مندو کے اندر ہے شیخ پیر میر ٹھی نے آپ کا عالی شان مزار بنوایا تھا۔www.ziaetaiba.com accessed: Febrary 2/ 2019، ایضاً(D.S.Margoliouth، شطاریہ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، ج11، ص735، 734)

[69] ابویزید (بایزید) البسطامی طیفور بن عیسیٰ سروشان معروف ترین مسلم صوفیاء میں سے ایک تھے۔ چند مختصر وقفوں کے سوا، جن میں وہ راسخ العقیدہ علمائے دین کی مخالفت کے باعث اپنے شہر سے بہت دور جا کر رہنے پر مجبور ہوئے۔ بایزید نے اپنی ساری زندگی بسطام میں بسر کی اور وہیں 261ھ/874ء یا 264ھ/877۔878ء میں وفات پائی۔ انہوں نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔(رٹر H.Ritter، ابویزید بسطامی، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب دانش گاہ لاہور، ج1، ص 234۔932)

[70] عزیز احمد، برِصغیر میں اسلامی کلچر، ص202

[71] (WWW:Feb2,2019) ZIATAIBA.COM,accessed. بحوالہ بہاء الدین شطاری، رسالہ شطاریہ، ص6

[72] ایضاً

[73] بہاء الدین شطاری، رسالہ شطاریہ، ص14

[74] کامل قریشی، ڈاکٹر، اردو اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب، ص216۔217 accessed :January 8 /2019 www.urduchannal.in

[75] مجددیہ نقشبندیہ کے صوفی بزرگ تھے اٹھائیس واسطوں سے نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے اور نگ زیب نے جان جاناں نام رکھا حافظ محمود شیرانی کے نزدیک مرزا مظہر جان جاناں نام ہے طبیعت میں تواضع، افتقار و انکسار شیوہ تھا۔ خلوت پسند تھے۔ بچپن میں ہی فقر و تصوف کا ماحول ملا۔ چار پیرانِ طریقت سے فیض حاصل کیا۔ 1195ھ/1781ء کو دہلی میں ایک نامعلوم شخص نے گولی ماری، دو دن بعد وفات پا گئے۔(مظہر جان جاناں، ادارہ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج21، ص272۔277)

[76] آپ شاہ ولی اللہ کی دوسری زوجہ سے سب سے بڑے فرزند تھے۔ آپ کا مولد 1746ء اور مدفن 1824ء دہلی ہے۔ تعلیم و تربیت والد ماجد نے فرمائی۔ شاہ صاحب کو تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت اور تاریخ کے علاوہ علم ہیئت، ہندسہ، مجسطی، مناظر، اصطرلاب، جرثقیل، طبیعات، منطق، مناظرہ، اختلاف ملل و نحل، قیافہ

اور تاویل وغیرہ علوم وفنون پر بھی عبور حاصل تھا۔ آپ کو عربی زبان سے بھی واقفیت تھی۔ (ڈاکٹر محمد خالد مسعود، اٹھارویں صدی عیسوی میں برصغیر میں اسلامی فکر کے راہنما، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ص 327،325)

[77] اکرام، رود کوثر، ص394

[78] سید احمد شہید (1831-1786ء) ابتدائی تعلیم وتربیت تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں اپنے خاندان میں ہوئی۔ آپ امام شاہ ولی اللہ کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے۔ سید احمد شہید کی کوششوں سے معاشرے میں رائج بدعات و محدثات کا خاتمہ ہوا۔ آپ کے ہاتھ پر جو لوگ بیعت کرتے تھے وہ ان تین باتوں پر عمل کرتے تھے ۔ شرک سے دوری، نماز کی پابندی اور شریعت کی پاسداری۔ سید صاحب جہاں تشریف لے جاتے تھے وہاں لوگوں کی قلبی حالت تبدیل ہو جاتی تھی اور خیر و برکت کے دروازے ان پر کھل جاتے تھے۔ (ابوالحسن ندوی، تاریخ دعوت وعزیمت، ج دوم، حصہ ششم، ص534،533)

[79] عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی کلچر، ص239

[80] جہانگیر بابر کی نسل سے ہندوستان کا چوتھا مغل شہنشاہ، اکبر کا پہلا بیٹا تھا (1569ء1667ء) جہانگیر اچھا پڑھا لکھا، ادب اور فن کا سرپرست اور انسان شناسی اور مسائل میں گہری نظر رکھنے والا نہایت شائستہ اور مہذب فرد تھا۔ وہ ایک زیرک حکمران تھا۔ نرم اور کریم النفس بھی تھا۔ وہ تشدد سے متنفر اور انصاف کا شیدائی تھا۔ تخت نشینی کے فوراً ہی بعد اس گھنٹیوں سے مزین ایک طلائی زنجیر بنوا کر آگرے میں قصر شاہی میں لٹکانے کا حکم دیا تاکہ دن ہو یا رات، کسی وقت مظلوم اور فریادی آکر اسے کھینچیں اور انصاف پائیں۔ (بزمی انصاری وادارہ، جہانگیر، اردو دائرہ المعارف الاسلامیہ، ج7، ص548۔551)

[81] معتمد خان، اقبال نامہ جہانگیری، کلکتہ، 1865ء، ص170

[82] عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی کلچر، ص203

[83] حاجی شریعت اللہ اس تحریک کے بانی تھے۔ وہ 1781ء میں فرید پور بنگال میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد مکہ مکرمہ چلے گئے 1818ء میں واپسی پر دینی اصلاح کا کام شروع کیا۔ اس تحریک کا مقصد فرائض کی ادائیگی اور گناہوں سے توبہ کرنا تھا۔ فرائض وہ جو اسلام میں فرض ہیں مثلاً نماز، روزہ، حج وغیرہ اسی وجہ سے اس تحریک کا نام فرائضی تحریک پڑا۔ حاجی شریعت اللہ نے 1840ء میں وفات پائی۔ (ڈاکٹر معین الدین، فرائضی تحریک، فکر ونظر، اسلامک ریسرچ انڈکس، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، والیم 7، ص669۔671)

[84] عزیز احمد، اسلامی کلچر، ص203

[85] ایضاً

[86] دُرگاہ، ہندوؤں کی دیوی بھوانی، شیو جی کی بیوی، بدصورت عورت، فیروز اللغات، مادہ د۔ر، ص 659،

[87] جن کا اصل نام سید عثمان مروندی تھا، (1177ء—1274ء) سندھ میں مدفون ایک مشہور صوفی بزرگ تھے۔ ان کا مزار سندھ کے علاقے سیہون شریف میں ہے۔ وہ ایک مشہور صوفی بزرگ، شاعر، الٰہیات دان، فلسفی اور قلندر رتھے۔ ان کا زمانہ اولیائے کرام کا زمانہ مشہور ہے ہندوؤں اور مسلمانوں میں مذہبی رواداری کی تبلیغ کی بنا پر لعل شہباز قلندر تمام مذاہب کے پیروکاروں میں یکساں محترم تصور کیے جاتے ہیں۔ چونکہ ان کا خرقہ تابدار یاقوتی رنگ کا ہوا کرتا تھا اس لیے انہیں "لعل"، ان کی خدا پرستی اور شرافت کی بنا پر "شہباز" اور قلندرانہ مزاج وانداز کی بنا پر "قلندر" کہا جانے لگا۔ (سید ارتضیٰ علی کرمانی، سیرت پاک حضرت عثمان مروندی، مطبوعہ عظیم اینڈ پبلشرز، لاہور، صفحہ 54)

[88] اکرام، رودِ کوثر، ص17

[89] تاراچند، تمدنِ ہند پر اسلامی اثرات، ص224

[90] عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی کلچر، ص237

[91] ایضاً، ص339،338

[92] بوہرہ اسماعیلی فرقے کے مستعلیہ گروہ (غیر آغاخانی اسماعیلی) کی بھارتی اور پاکستانی شاخ جو ہندو سے مسلمان ہوئی۔ بوہرہ گجراتی لفظ ووہرہ کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو ایک ہندو ذات تھی، جس کے معنی تاجر کے ہیں۔ مغربی ہند میں ہندو بوہرے بھی ہیں اور سنی بوہرے بھی، بالعموم یہ بیوپاری ہیں اور شہروں میں رہتے ہیں.
(ur.m. wikipedia.org accessed: Febrary 5,2019)

[93] عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی کلچر، ص240

[94] ایضا، ص244

[95] شاہ ولی اللہ، البلاغ المبین، لاہور، 1890ء، ص34، 33

[96] شبلی نعمانی، مقالات، اعظم گڑھ 1930ء، ص4

[97] عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی کلچر، ص245، 246

[98] تاراچند، تمدن ہند پر اسلامی اثرات، ص 89، 88